۲۷

خدائی سلسلوں کی مخالفت

(فرمودہ ۱۴/اکتوبر ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب بھی کوئی الٰہی سلسلہ اور روحانی جماعت قائم ہوتی ہے تو اس کے راستہ میں قسم قسم کی مشکلات اور مصائب ایک لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اس سلسلہ کی بنیاد کسی انسانی خیال اور تجویز پر نہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ لیکن اصل میں یہ مشکلات جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (الحج : ۵۳)

کہ ہر نبی اور رسول خدا بھیجتا ہے۔ وہ جن خواہشوں۔ جن مقاصد اور جن امور کو لیکر آتا ہے۔ ان کے پورا ہونے میں شیطان روک ڈالتا ہے۔ کوئی بھی نبی اور رسول ایسا نہیں آیا جس کے ہر مقصد ہر مدعا ہر مطلب اور ہر تڑپ کے آگے شیطان نے روکیں نہ ڈالی ہوں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر نبی کامیاب ہو گیا تو پھر میرا ٹھکانا کہیں نہیں۔ جس طرح مرتا ہوا آدمی پورا زور لگاتا ہے۔ اسی طرح شیطان اور اس کی ذریت انبیاء اور ان کی جماعت کے خلاف پورا زور لگاتی ہے جنہوں نے مرنے والوں کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس بے ہوشی میں جس میں دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب کہ ساری طاقت زائل ہو چکی ہوتی ہے اور تمام قوت خرچ ہو چکی ہوتی ہے مگر مرنے سے چند ساعت پہلے مرنے والا اس طرح زور لگاتا ہے کہ گویا وہ اس دنیا میں واپس آنا چاہتا ہے۔

اس کا سارا جسم ہل جاتا ہے۔ گردن اٹھ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی طاقت کا آخری ذرہ تک اس لئے خرچ کر دیتا ہے کہ بچ جاؤں۔ یہ اس انسان کی حالت ہوتی ہے جو بیہوشی میں ہوتا ہے۔ جس کی طاقت خرچ ہو چکی ہوتی ہے۔ جو سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر اس کی کیا حالت ہوگی جو بے ہوش نہ ہو۔ اور جس کی طاقت خرچ نہ ہوئی ہو۔ ایک چھوٹے بچہ کو ہی کنوئیں میں ڈراوے کے طور پر دھکیل کر دیکھو کس طرح وہ چمٹ جاتا ہے۔ عام طاقت سے آٹھ دس گنے زیادہ طاقت اس میں ہو جائیگی۔ ایک ایسا آدمی جسے کشتی میں پہلوان ایک منٹ میں گرا سکتا ہے۔ اس کے متعلق پہلوان سے کہو۔ کنوئیں میں گرا کر تو دیکھے۔ ایک منٹ چھوڑ ایک گھنٹہ میں بھی نہیں گرا سکے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ کشتی میں تو وہ سمجھتا ہے کہ مقابلہ ہے اگر گر بھی گیا تو کیا ہوا مگر جب وہ یہ سمجھے کہ موت آنے لگی ہے تو اس طرح ساری طاقت خرچ کرے گا اور اتنا زور لگائے گا کہ اول تو زبردست کے برابر ہو جائے گا۔ ورنہ اس کے قریب قریب رہے گا۔

جب خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں کوئی سلسلہ قائم کیا جاتا ہے تو اس وقت زیادہ جوش اور طاقت کے ساتھ ایسی ارواح خبیثہ جو شیطان سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا بعض گناہوں کی وجہ سے شیطان نے ان پر تصرف پایا ہوتا ہے جوش میں آجاتی ہیں اور سارا زور اس بات کے لئے لگاتی ہیں کہ کسی طرح سچائی دنیا میں نہ پھیلے۔ ایسے لوگ دیدہ دانستہ جانتے بوجھتے شیطان کے قبضہ میں آجاتے ہیں۔ لیکن کچھ اور ہوتے ہیں جو اپنے نفس کی شیطنت سے خود بھی واقف نہیں ہوتے۔ وہ شیطان کے ہتھیار ہوتے ہیں لیکن سمجھتے ہیں شیطان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اور ان کے دل غلافوں میں ہوتے ہیں۔ وہ آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ وہ دل رکھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مجرم نہیں۔ ان کی آنکھوں کا پردہ میں اور دل کا غلاف میں ہونا بھی ان کے جرم کے نتیجہ میں ہے۔ ابو جہل کیا یہ سمجھتا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتا تو بدر کے میدان میں یہ کیوں کہتا کہ اے خدا اگر محمد سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا۔ (الانفال : ۳۳) لیکن ابو جہل جس جہالت میں مبتلا تھا وہ چونکہ اس کے گناہوں کا نتیجہ تھا اس لئے سزا سے نہیں بچ سکا۔ اسی جہالت کی سزا سے کوئی بچ سکتا ہے جو گناہوں کے نتیجہ میں نہیں ہوتی۔ ایک پاگل دماغ میں نقص آجانے پر اگر کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ سزا سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر وہ جو رسول کی مخالفت کی وجہ سے پاگل ہوتا ہے وہ سزا سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح وہ آدمی جسے ایسے سامان میسر ہوں کہ دین حاصل

کر سکتا ہو۔ خدا کے سچے دین کو سمجھ سکتا ہو۔ وہ اگر جہالت سے الٰہی سلسلہ میں روک بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ یا تو اسے سمجھنے کی توفیق دے دیتا ہے یا مقابلہ کی توفیق نہیں دیتا۔ مگر جو گناہوں کے زنگ اور شرارت کی وجہ سے خدا کی طرف سے سزا دیا جاتا ہے کہ الٰہی سلسلہ کی مخالفت کرے اس کی جہالت کا عذر نہیں سنا جا سکتا۔ کیونکہ اگر اس کا عذر بھی سنا جا سکتا ہے تو پھر کسی کو بھی سزا نہیں دی جا سکتی۔ وجہ یہ کہ ہر بدی جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر آتا ہے پھر کیا کسی کو بھی سزا نہ ملنی چاہئے۔ مگر حق یہ ہے کہ جہالتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک عدمِ علم کی وجہ سے۔ دوسری زنگِ قلب کی وجہ سے۔ جو عدمِ علم کی وجہ سے ہوتی ہے اس کی کوئی سزا نہیں ہوتی اور جو زنگِ قلب کی وجہ سے ہوتی ہے وہ چونکہ خود سزا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سزا میں روک نہیں بن سکتی۔ اس حالت میں اسے بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہو۔ اگر اس کی وجہ سے سزا سے نکل گیا تو یہ سزا نہ رہی بلکہ رحمت ہو گئی۔ غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ الٰہی سلسلہ کے مقابلہ میں ایسے لوگ کھڑے ہوتے ہیں جو روک بنتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی تو ایسے ہوتے ہیں جو ان سلسلوں میں نام کے لحاظ سے شامل ہوتے ہیں جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو نام کی طرف تو منسوب ہوتے ہیں لیکن نظام کی طرف منسوب نہیں ہوتے۔ جیسے حضرت علیؓ کے زمانہ میں خوارج تھے۔ اور کبھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نہ نام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ نہ نظام کے لحاظ سے کوئی تعلق رکھتے ہیں جیسے مکہ کے کفار۔ یہود اور نصاریٰ۔ اسی قسم کے لوگ ہماری جماعت کے مقابلہ میں بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ تو منافق ہیں۔ جو احمدی کہلاتے ہیں مگر ایسی باتیں پھیلانے میں لگے رہتے ہیں جن سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہو۔ جماعت کی قدر و وقعت دوسروں کی نظروں سے گر جائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو نام میں تو شریک ہیں مگر نظام میں شریک نہیں۔ ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ نظام جماعت کو توڑ دیں پھر کچھ وہ ہیں جو نہ نام میں شریک ہیں نہ نظام میں۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ جماعت ہی ٹوٹ جائے۔ لیکن تینوں قسم کے لوگ خدا کے ہاتھ کو نہیں دیکھتے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ جماعت احمدیہ کو قائم کرے۔ اس کے نظام کو مضبوط کرے۔ اس کی قدر و عظمت کو بڑھائے۔ پس جو اس کے مقابلہ میں کھڑا ہو گا ذلیل و رسوا ہو گا۔ خواہ وہ احمدی کہلانے والا منافق ہو اور اتنا ہوشیار منافق ہو کہ خود اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہے بلکہ اس طرح تفرقہ اندازی کرے کہ لوگ یوں کہتے ہیں۔

منافق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں میں یہ یہ عیب پائے جاتے ہیں اور

دوسرے ان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو نہیں کہتے مگر لوگ یہ کہتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر تم نہیں کہتے تو پھر تمہیں دوسروں کی باتیں دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دراصل ان کی چال ہوتی ہے۔ تاکہ اگر تحقیقات شروع ہو اور مقدمہ چلے تو وہ کہہ دیں کہ ہم نے تو کچھ نہیں کہا لوگ یوں کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بھی منافق قرار دیا ہے اور فرماتا ہے۔ انہیں جب کوئی خوف یا امن کی بات معلوم ہوتی ہے۔ تو اسے پھیلا دیتے ہیں دیکھو خوف کی بات تو الگ رہی فرماتا ہے جو امن کی بات کو بھی خود سرانہ طور پر پھیلاتا ہے وہ کمزوری ایمان کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس کا کام یہ تھا کہ نبی یا اس کے خلیفہ کے پاس جاتا اور اس کے سامنے وہ بات پیش کرتا۔ پھر اگر وہ اجازت دیتا تب پھیلاتا۔ غور کرو جب امن کی بات خود بخود پھیلانے سے انسان منافق کہلاتا ہے۔ تو کیا حال ہو گا اس کا جو فتنہ کی باتیں پھیلاتا ہے۔ مگر دوسری قسم کا منافق اس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ پہلی قسم کے منافق میں اتنی تو جرأت یا یوں کہو اتنی بے حیائی پیدا ہو چکی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں کہہ دیتا ہے کہ یہ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ مگر ایک دوسرا منافق ہوتا ہے جس میں یہ بات بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا یہ طریق ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو ایمانی لحاظ سے کمزور سمجھے یا جن کو کمزور بنا دینے کی اپنے اندر طاقت سمجھے ان کے سامنے ایسی باتیں کرتا ہے اور پھر وہ باتیں دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس میں اسے مدنظر چوہے کی طرح دوسرا سوراخ ہوتا ہے تاکہ اگر کوئی پکڑنے لگے تو دوسرے رستہ سے بھاگ جائے۔ یہ سب سے زیادہ منافق ہوتا ہے۔ اس سے جرأت قطعاً مفقود ہو چکی ہوتی ہے۔ دوسرا طبقہ منافقوں کا وہ ہوتا ہے جو نام کی طرف تو منسوب ہوتا ہے مگر نظام میں شریک نہیں ہوتا۔ جیسے غیر مبائعین ہیں انہوں نے ہم سے صلح کے وعدے کئے۔ مخالفت نہ کرنے کے اقرار کئے۔ مگر باوجود اس کے کہ ہم وعدہ پر قائم ہیں۔ وہ متواتر ایسے مسائل اٹھاتے رہتے ہیں جن کے ذریعہ دوسرے لوگوں اور ہم میں لڑائی کرائیں۔ اور وہ اندرونی منافق جن کو اب جماعت سے نکال دیا گیا یا جو پہلے نکلے ان سے مل کر ہمارے خلاف کوششیں کرتے رہتے ہیں۔

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ہماری جماعت کی طرف منسوب نہیں۔ ان کے دل بغض اور عداوت سے پر ہیں۔ خواہ وہ مسلمان کہلانے والوں میں سے ہوں۔ یا عیسائیوں۔ یہودیوں میں سے یا ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں سے ان سب میں سے ایک طبقہ ایسا ہے جو ہماری مخالفت میں دن رات لگا رہتا ہے۔ مسلمانوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو فراخ دلی سے ہماری

دینی خدمات کی قدر کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو قدر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں تم بھی احمدیوں کی طرح کام کرو۔ میں سمجھتا ہوں ایسے لوگ اپنے اندر نیکی رکھتے ہیں اور قابل قدر ہیں میں ان کی نسبت اس وقت نہیں کہہ رہا بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق کہہ رہا ہوں جو ہمیشہ ہماری ہر نیکی کو بدی قرار دیتے ہیں۔ انہیں جب کبھی کوئی ایسا موقع ملے کہ وہ ہم پر اعتراض کر سکیں تو یہ ان کے لئے عید کا دن ہوتا ہے۔ مگر مومن کے لئے ایسی باتوں سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب ہم نے ایک صداقت اور حق کو تسلیم کر لیا ہے اور سمجھ سوچ کر تسلیم کیا ہے تو پھر اعتراض کیا چیز ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی بیان کرے کہ مجھے ایک دوست ملنے آئیں گے جن کا اس قسم کا کوٹ ہو گا۔ ایسا پاجامہ۔ لیکن جب وہ آئے اور اس قسم کے کپڑے نہ پہنے ہوئے ہو تو کیا اس کے دوست ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے گا۔ یہ چیزیں جو بیان کی گئی تھیں ایسی ہیں جو بدلنے والی ہیں اور جو بدلی جاسکتی ہیں۔ پھر بعض دفعہ نظر کی غلطی بھی ہو جاتی ہے ایسی باتوں سے دوست کا انکار نہیں کیا جائے گا کہ اس کا ایسا کوٹ نہیں یا ویسا پاجامہ نہیں جیسا میں نے دیکھا یا سمجھا تھا۔ جب آنکھیں اس کے دوست ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ تو اس کے کپڑوں کی تبدیلی سے اس کا انکار کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ ایسے موقعہ پر یہی کہا جائے گا کہ آنکھوں کو غلطی لگ گئی۔ یا بعد میں تبدیلی ہو گئی۔ اسی طرح سلسلہ یا نظام سلسلہ کے متعلق اعتراض سن کر کوئی ایسا شخص جس نے سمجھ کر مانا ہے کس طرح اسے چھوڑ دے گا۔ ایک مسلمان کو رسول اور نبی کی صداقت پر کم از کم اتنا ایمان تو ضرور ہونا چاہئے جتنا سورج کے موجود ہونے پر ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی دن کو کہے کہ سورج نہیں چڑھا ہوا تو کیا اس کا کہنا درست مان لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی رسول پر اعتراض کرتا ہے۔ یا نظام سلسلہ پر اعتراض کرتا ہے تو کیونکر اس کے اعتراض کو درست تسلیم کر لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ پہچاننے میں غلطی لگی۔ نظر نے غلطی کھائی یا یہ کہ ایسی باتیں ہوا ہی کرتی ہیں ان سے نبی کی شان میں کوئی حرف نہیں آتا مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لوگ اعتراض کرتے تھے کہ آپ اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ بیوی کو زیور بنا کر دیتے ہیں۔ بادام روغن استعمال کرتے ہیں۔ آپ کی صداقت پر ایمان رکھنے والا کہے گا آپ دماغی کام کرتے تھے اس لئے اچھا کھانے میں کیا حرج ہے۔ اور آپ کو اعصابی کمزوری تھی اس لئے بادام روغن استعمال کرتے تھے۔ بیوی کو زیور یا کپڑے بنوا کر دینا کہاں منع ہے۔ تو بعض دفعہ بات صحیح ہوتی ہے اور قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ اس لئے یہی کہا جائے گا کہ کہنے والا جھوٹ بولتا ہے یا جھوٹ نہیں بولتا غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

یا غلطی میں مبتلا نہیں جسے اعتراض سمجھتا ہے وہ اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح نظام سلسلہ ہے یا جماعت اور خلیفہ کے تعلقات ہیں۔ اس کے لئے جماعت کی روحانی حالت اور اس کے ایمان کو دیکھنا چاہئے۔ اور ان دلائل سے پرکھنا چاہئے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح کرتا ہے اور ان دلائل کو دیکھنے کے بعد ایمان لاتا ہے تو پھر کسی اعتراض کی وجہ سے اسے شبہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اگر اسے شبہ پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہوا اس نے دلائل کی رو سے نہیں مانا تھا اور اس کا یہ کہنا کہ وہ دلائل کے رو سے ایمان لایا تھا۔ جھوٹ ہے۔ ایک نابینا اگر کسی سے سن کر یہ کہہ دے کہ سورج چڑھا ہوا ہے مگر دوسرا شخص اسے کہہ دے نہیں چڑھا ہوا۔ تو وہ کہہ دے گا نہیں چڑھا ہوا کیونکہ اس نے سن کر مانا تھا کہ سورج چڑھا ہوا ہے خود نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے جب اسے یہ کہہ دیا گیا کہ نہیں چڑھا ہوا تو اس نے بھی یہی کہہ دیا۔ لیکن جس نے اپنی آنکھوں سے سورج چڑھا ہوا دیکھا ہو وہ کسی کے کہنے سے ہرگز انکار نہیں کرے گا۔ اس طرح جو شواہد اور دلائل کو دیکھ اور پرکھ کر ایمان لاتا ہے اس کے سامنے اگر ساری دنیا بھی اعتراض کرے تو اس پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے سامنے اعتراضوں کی ہستی ہی کیا ہو سکتی ہے۔ پس اعتراضات اس عقلمند انسان کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتے جس نے مشاہدہ اور دلائل سے صداقت کو مانا ہو۔ ہاں جو لوگ نابینا ہوتے ہیں اور ازلی نابینا وہ سنی سنائی باتیں مانتے ہیں۔ انہیں نہ رسول پر ایمان ہوتا ہے نہ خلفاء پر اور نہ نظام سلسلہ کی صداقت پر۔ وہ اندھوں کی طرح سن کر ایک راستہ پر چل پڑے تھے۔ جب کسی نے کہہ دیا یہ راستہ صحیح نہیں تو وہ اس سے بدل گئے۔ پس جو اعتراض سن کر بدلتا ہے وہ ضرور نابینا ہے کیونکہ اگر ایک بات کو اس نے دلائل اور معیاروں سے مانا تھا تو جب تک وہ معیار باطل نہ قرار دے لے اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ مثلاً نبی کی صداقت کا معیار ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے والے جھوٹے انسان کو خدا کبھی لمبی مہلت نہیں دیتا۔ اس کی لائی ہوئی تعلیم دنیا میں جاری نہیں ہوتی۔ اور اگر جاری ہو تو چند سال کے لئے ہوتی ہے۔ پھر یہ معیار ہے کہ کثرت سے غیب کی خبریں جھوٹے کو نہیں دی جاتیں۔ یہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ معیار ہے کہ خدا کی نصرت اور تائید غیر معمولی مشکلات کے وقت غیر معمولی طور پر جھوٹے کو حاصل نہیں ہوتی۔ ان معیاروں کے رو سے جب ایک انسان ایمان لاتا ہے مگر دوسرا آکر کہتا ہے اس نے لوگوں کا روپیہ کھا لیا۔ فلاں موقعہ پر جھوٹ بولا۔ فلاں اخلاقی کمزوری دکھائی تو کیا یہ باتیں ان معیاروں کو باطل قرار دے دیں گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسی حالت میں تو یہ دیکھیں گے کہ وہ معیار اس پر چسپاں ہوتے ہیں

یا نہیں۔ اگر چسپاں ہونگے تو ایک اعتراض چھوڑ اگر دس ارب اعتراض بھی کئے جائیں تو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔

پس یہ نادانی ہے ان لوگوں کی جو ایسے امور میں مبتلا ہو کر سلسلہ کو نقصان پہنچانے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں سلسلہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ خود ہلاکت اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ خواہ اندرونی منافقوں میں سے ہوں یا بیرونی مخالفوں میں سے۔ خواہ ان میں سے ہوں جو علی الاعلان مخالفت کرنے میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ اسلام کی امداد اور تائید کے لئے بھی مل بیٹھنا پسند نہیں کرتے غرض کسی گروہ سے ہوں سلسلہ کا کچھ نقصان نہیں کرسکتے۔ یہ سلسلہ مقدر لیکر آیا ہے اور مقسوم لے کر آیا ہے کہ روز بروز ترقی کرے اور آگے ہی آگے بڑھے۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

یہ باتیں میں نے اشارتاً اور تمہیداً بیان کی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئندہ تفصیل سے بیان کروں گا۔ مگر یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ ایسی باتوں میں حصہ لینا اور دلچسپی ظاہر کرنا ثبوت ہے اس بات کا کہ ایسے لوگ نابینا ہیں۔ انہوں نے دلائل سے مانا ہی نہیں۔ اگر دلائل سے مانا ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ احمدیت ورثہ کے طور پر نہیں چلی آرہی کہ کسی کو اس کے متعلق دلائل معلوم کرنے کا موقعہ نہیں ملا بلکہ احمدیت ہر ایک کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یہ دنیا کی منڈی میں رکھی ہوئی جنس ہے۔ ہر قوم اور ہر رنگ کے لوگ آتے اور اعتراض کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ یہ ایک کھلا ہوا تھان ہے۔ جو سب لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے۔ اس لئے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسے دھوکا دیا گیا۔ یہ مال ایسی منڈی میں رکھا ہوا ہے جس کے ارد گرد دشمن ہی دشمن ہیں۔ خدا تعالیٰ نے دین کا نام بیع رکھا ہے اب اگر کوئی اسے خریدتا ہے اور پھر کہتا ہے مجھے غلطی لگ گئی تو معلوم ہوا کہ یقیناً وہ نابینا ہے۔ کیونکہ سامنے رکھی ہوئی چیز سے ایک بینا کو کس طرح غلطی لگ سکتی ہے۔ اور وہ کس طرح دھوکا کھا سکتا ہے۔ کسی کا یہ کہنا دلالت کرتا ہے کہ وہ نابینا ہے اور ایسا نابینا ہے جو کسی نصرت کا مستحق نہیں اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ جو اس دنیا میں اندھا رہے گا۔ یقیناً وہ اگلے جہان میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا۔

(الفضل ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۷ء)